R. No. 2186/57 Regd. N. L. 922.

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

جلد ۲۷ - شمارہ ۴۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ نومبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

جواہر لال نہرو کا جنم دن

۱۴ نومبر جواہر لال نہرو کا جنم دن ہے۔ اب ہندوستان میں یہ دن بچوں کے دن کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ جواہر لال نہرو کو بچوں سے جو الفت تھی اس کے پیش نظر ۱۴ نومبر کو بچوں کا دن منانا ہر طرح مناسب و موزوں ہے۔ کسی قوم کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے کیا کرتی ہے۔ ہندوستان میں صدیوں تک بچوں کو یا تو نظر انداز کیا گیا ہے یا انھیں ایک آہنی شکنجے میں رکھا گیا ہے۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ ماہرین نفسیات نے اب یہ تسلیم کر لیا ہے کہ بچے کے ذہن پر جو نقوش پیدائش سے ساڑھے تین سال تک پڑتے ہیں، وہ سب سے اہم ہوتے ہیں اور بعد میں اس بنیاد پر دوسرے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ بچوں کی ابتدائی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے، گھروں کے ماحول میں بچوں کو مناسب اہمیت حاصل ہو، نہ تو بے جا لاڈ پیار میں انھیں بگاڑا جائے نہ ان پر بے جا سختی کی جائے۔ ان کے دل میں کسی کا ڈر نہ بیٹھنے پائے۔ ان کے تخیل کو جلا ہو، ان کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، انھیں کہانیوں، کھلونوں اور ساتھیوں کے ذریعہ سے زندگی کی شادابی اور رنگینی کا پورا احساس ہو سکے۔ جواہر لال نہرو اس نکتے کو سمجھتے تھے اور انھوں نے جہاں ملک پر دوسرے احسانات کیے وہاں بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور ان کے لیے ہر طرح کی دلچسپیاں پیدا کرنے پر بھی زور دیا۔ اس لیے ان کی یاد تازہ کرنے کا بہت اچھا طریقہ ہے کہ ہم سب بچوں کی ذہنی اور جسمانی صحت کی طرف توجہ کریں، انھیں زندگی کے معرکے کے لیے تیار کریں، اور ان میں سماجی، اخلاقی اور جمالیاتی قدروں کا احساس پیدا کریں۔

مگر جواہر لال نہرو نے اور بھی بہت سے کام کیے تھے جنھیں ۱۴ نومبر کو یاد رکھنا چاہیے۔ انھوں نے ملک میں سائنسی مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور سائنس کی تعلیم کو مناسب اہمیت دینے پر زور دیا تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے سائنس دانوں کی بڑی ہمت افزائی کی۔ ملک میں قومی تجربہ گاہوں کا ایک جال پھیلا دیا۔ سائنس کانگریس کا شاید ہی کوئی اجلاس ایسا رہا ہو جس میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو نہ شریک ہوئے ہوں۔ آج بہت سے لوگ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جواہر لال نہرو نے کون کون سی غلطیاں کیں۔ وہ یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ ملک میں آج جو خرابیاں ہیں ان کی سب سے زیادہ ذمہ داری جواہر لال نہرو کی غلط پالیسی پر ہے۔ کچھ لوگ انھیں مغل اعظم کہتے ہیں جس نے جو چاہا کیا اور کسی قابل آدمی کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ کچھ لوگ انھیں کمزور بتلاتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک حکومت صرف وہی کر سکتا ہے جو سراپا آہن ہو اور جس میں ذرا سی لچک یا نرمی نہ ہو۔ کچھ لوگ انھیں ایک ایسا خواب کار کہتے ہیں جو حقائق سے عہدہ برآ ہونا نہ جانتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جواہر لال نہرو نہ فرشتہ تھے، بندہ بشر تھے۔ ان میں بہت سی کمزوریاں تھیں۔ مثلاً وہ بہت سے کام ایک ساتھ کرنا چاہتے تھے اور پھر آدمیوں کو اچھی طرح پہچانتے نہ تھے۔ بہت سے لوگ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص کرسی پر ہے اس کے خیالات کیا ہیں اور پھر وہ انھیں خیالات کو اس طرح اختیار کر لیتے ہیں جس طرح کوئی ایک لبادہ اوڑھ لے۔ دراصل وہ ان کے خیالات نہیں ہوتے جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ جواہر لال نہرو کے گرد بھی بہت سے ایسے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ چونکہ جواہر لال نہرو بڑی مروت کے آدمی تھے اس لیے ان لوگوں کو گوارا کر لیتے تھے۔ مگر ان چھوٹی باتوں کی وجہ سے جواہر لال نہرو کے عظیم کارنامے سے انکار احسان فراموشی اور ناشکرے پن کے مترادف ہوگا۔ جواہر لال نہرو جدید ذہن رکھتے تھے۔ وہ ہر قسم کے تعصب سے پاک تھے۔ ان کا بڑا دماغ اور بڑا دل تھا۔ وہ ہندوستان کی پوری تاریخ پر نظر رکھتے تھے اور اس

کسی حصہ کو غیر ضروری اہمیت دینے اور کسی کو نظر انداز کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ ہندوستان کو جاگیردارانہ مزاج سے نکال کر صنعتی دور میں داخل کرنا چاہتے تھے۔ وہ روشن خیال تھے اور کٹر پن، دقیانوسیت، ضعیف الاعتقادی، توہم پرستی فرسودہ رسوم کی پیروی سے نفرت کرتے تھے۔ وہ عالمی تحریکوں اور مسائل پر نظر رکھتے تھے۔ انھیں سبھی قومی زبانوں سے محبت تھی، وہ شعر و ادب علوم و فنون کی بڑی قدر کرتے تھے، دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ دل سے۔ گاندھی جی نے ہمیں آزادی دلائی۔ جواہر لال نہرو نے اس آزادی کو معنی دیئے۔ وہ ہماری قوم کے معمار اعظم ہیں۔ ہم ہندوستانیوں میں مرض یہ ہے کہ ہم اپنے بڑے آدمیوں کو جلد دیوتا مان لیتے ہیں جن سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی پھر کچھ دن بعد اسی دیوتا میں ہزاروں کیڑے ڈالنے لگتے ہیں۔ ہم شخصیت کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ اس کے خیالات اس کے عمل اس کے کردار اور ان سب چیزوں کے اثرات نہیں دیکھتے۔ ہم میں جذباتیت بہت ہے۔ جذبہ اچھی چیز ہے۔ یہ سرد عقل سے زیادہ کارگر اور کارساز ہوتا ہے۔ مگر اس جذبے کی گرمی کے پیچھے ایک فکر کی روشنی بھی ہونی چاہیے جو جذبے کو سمت و رفتار عطا کرے۔ جواہر لال نہرو کے افکار و اقدار آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہو سکتے ہیں۔ ایسے دل و دماغ کے آدمی صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ قوم نے پہلے تو انھیں دیوتا بنا دیا اور اب جب ان کی پرسوز شخصیت ہم میں نہیں ہے، تو ان کے ہر کام میں عیب نکالا جا رہا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے خیالات سے اور ان کے کاموں سے آج بھی ہمیں اپنی منزل کا سراغ مل سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ان کے کاموں میں سے کوئی ایک کام اپنے ذمے لے لے اور اسے اس طرح کرے کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ جمہوریت کا استحکام۔ سیکولرزم کو قومی مزاج بنانا، سوشلزم کو ہندوستانی مزاج کے مطابق آگے بڑھانا، تمام قومی زبانوں کو فروغ دینا، سائنسی مزاج پیدا کرنا، ملک کو خودکفیل بنانا، عالمی میلانات پر نظر رکھنا، بیرونی معاملات میں صحیح معنی میں غیر جانبداری اور ناوابستگی کی پالیسی پر عمل کرنا، ترقی اور بچاؤ کو مربوط کرنا، منصوبہ بندی کر کے معیار زندگی بڑھانا، تعلیم کو بامعنی بنانا، ادبیات اور فنون لطیفہ کو ترقی دینا، نئی نسل کے جذبات و خیالات کو سمجھنے کی کوشش کرنا، ماضی کا احساس رکھتے ہوئے اس کو ذہن پر مسلط نہ ہونے دینا، ذہن کی کھڑکیاں کھلی رکھنا، یہ سب کام جواہر لال نہرو نے سکھائے ہیں اور انھیں ہمیں کرنا ہے۔ نہرو کے جنم دن پر نہرو کی شان میں قصیدہ خوانی ضروری نہیں، ان کے کاموں پر نظر رکھنا اور انھیں آگے بڑھانا ضروری ہے۔ ہندوستان اس راستے پر چل کر ترقی کر سکتا ہے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

نہرو فیلوشپ

نئی دہلی: جواہر لال نہرو کے ۷۹ ویں یوم پیدائش کے موقع پر نہرو میموریل فنڈ کی جانب سے ۳ ممتاز فنکاروں کو فیلوشپ دئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) ڈاکٹر ایس جی گوسوامی (۲) جناب جے سوامی ناتھن (۳) ڈاکٹر وی راگھون میموریل فنڈ نے نہرو جی کی تصنیفات و تقاریر کا ایک انتخاب ۲۰ جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس کے علاوہ نہرو جی کی ایک سوانح عمری بھی شائع کی جائے گی اس انتخاب کے مولف اور سوانح کے مصنف ڈاکٹر ایس گوپال ہونگے۔

غالب سے متعلق فلم

بمبئی: ساون کمار ٹاک اردو کے مشہور شاعر غالب کے بارے میں ایک فلم تیار کرنا چاہتے ہیں، جو ایسٹ مین کلر میں ہوگی مہورت کی رسم ادا کرنے کے لئے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کو دعوت دی جا رہی ہے یہ رسم دہلی میں نومبر کے آخر میں ادا ہوگی۔ فلم کو موہن سہگل ڈائرکٹ کریں گے۔ دسمبر میں باقاعدہ شوٹنگ شروع ہو جائے گی۔ مدن موہن اس کی موسیقی تیار کریں گے کیفی اعظمی نے اس کا مسودہ لکھا ہے اس میں غالب کی اپنی غزلیں ہوں گی۔ پروڈیوسر ٹاک چار مہینے کے اندر اندر اس فلم کو مکمل کرنا چاہتے ہیں تاکہ غالب کی صد سالہ تقریبات کے دوران اس کی نمائش ہو سکے۔ ہندی اسکرین کا ایک مشہور ہیرو اس فلم میں غالب کا رول ادا کرے گا۔ (ریاست)

ماہنامہ شاعر کا غالب نمبر

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر غالب کی عظمت کے شایان شان ماہنامہ شاعر غالب نمبر جنوری ۱۹۶۹ء میں پیش کر رہا ہے اس کی ضخامت پانسو سے زیادہ ہوگی اس سلسلے میں مکمل معلومات ماہنامہ شاعر پوسٹ بکس نمبر ۴۲۰۵ بمبئی ۸ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

آغا شورش کاشمیری رہا کر دیئے گئے

لاہور: پاکستان کے مشہور صحافی جناب آغا شورش کاشمیری کو سپریم کورٹ کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ آغا صاحب پر ڈفنس آف پاکستان رولز کا یہ رول لاگو نہیں ہوتا۔ (روشنی)

ہریانہ میں ہندی سرکاری زبان آرڈننس جاری

چنڈی گڑھ: ہریانہ حکومت نے ایک آرڈننس جاری کیا ہے جس کی رو سے ۲۶ جنوری ۱۹۶۹ء سے ہریانہ کی سرکاری زبان دیوناگری رسم خط میں ہندی قرار دی گئی ہے۔ (قومی آواز)

عبدالقوی دسنوی

مولانا ابوالنصر غلام یٰسین آہ دہلوی

مولانا ابوالنصر غلام یٰسین آہ دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی تھے جنھوں نے مولانا آزاد ہی کی طرح کم عمری ہی سے مضامین لکھنا شروع کر دیا تھا اور شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا آزاد کی طرح دنیائے ادب میں انھوں نے بہت جلد شہرت حاصل کر لی تھی لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ جناب مالک رام نے آہ مرحوم سے متعلق بہت تفصیلی مضمون اپنے سہ ماہی رسالہ تحریر دلی جلد ۲ نمبر ۲ میں شایع کیا ہے جس سے آہ مرحوم کی ادبی زندگی سے متعلق اچھی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے آخر میں انھوں نے آہ مرحوم کا وہ کلام بھی شایع کر دیا ہے جو انھیں دوران مطالعہ میں دستیاب ہوا ہے۔

اس مضمون میں انھوں نے آہ مرحوم کے مضامین کی فہرست بھی شامل کر دی ہے، اس طرح آہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مضمون بہت اہم ہے لیکن مضامین کی فہرست میں حسب ذیل چیزیں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔

تحریر (دوسری قسط) جولائی ۱۹۰۲ء خدنگ نظر
شہود روحی فصیح (دوسری قسط) جنوری ۱۹۰۳ء خدنگ نظر
عالم اجسام (تیسری قسط) فروری ۱۹۰۳ء خدنگ نظر
فلسفہ مارچ ۱۹۰۳ء خدنگ نظر
عالم اجسام (چوتھی قسط) اپریل ۱۹۰۳ء خدنگ نظر
قدیم مصریوں کے رسوم تجہیز و تکفین جون ۱۹۰۳ء خدنگ نظر
عربوں کی بت پرستی جولائی ۱۹۰۳ء خدنگ نظر

"اردو کا دکھڑا اور جھگڑا" اپریل ۱۹۰۳ء کے بجائے مارچ ۱۹۰۳ء کے لسان الصدق میں شائع ہوا ہے۔

"سادہ لوحی" کے عنوان سے لسان الصدق مئی ۱۹۰۴ء میں ایک مختصر تحریر بھی ہے۔

مالک رام صاحب آہ دہلوی کی ایک تصنیف "الخیام" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نظم کے علاوہ وہ آغاز ہی سے نثر بھی لکھنے لگے تھے چنانچہ احسن الاخبار میں انھوں نے ایک سلسلہ مضامین "الخیام" کے عنوان سے لکھا جو بعد کو اسی نام سے کتابی شکل میں مطبع احمدی لکھنؤ میں چھپ کر شایع ہوا۔"

اس کتاب کا اشتہار لسان الصدق مارچ ۱۹۰۴ء میں بھی شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

الخیام
یعنی
حکیم عمر بن ابراہیم خیام کی
مختصر سی سوانح عمری
مرتبہ
مولانا ابوالنصر غلام یٰسین آہ دہلوی۔ قیمت ۸ر

کاغذ عمدہ، چھپائی صاف خوش نما، نہایت دلچسپ اپنی طرز کا۔ عمر خیام جس کی فارسی رباعیاں مشہور عالم ہیں اس کے حالات میں یہ رسالہ مفید نوٹوں کا مجموعہ ہے اور پہلا ہے اب تک کوئی رسالہ اردو میں شائع نہیں ہوا تھا، یہ پہلی کوشش ملک کو متوجہ کرنے کے لئے بہت کچھ ہے، ہر تعلیم یافتہ کو ایک مرتبہ اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ ہمارے پاس اس کے کم نسخے ہیں۔ ہر درخواست کی تعمیل بذریعہ وی پی ہو سکتی ہے۔"

(محمد یوسف جعفری نمبر ۶، تارا چند اسٹریٹ۔ کلکتہ)

اسرار اکبر آبادی

پھندے

رات نے سحر بن کر
جاگتے خیالوں کے خواب توڑ ڈالے ہیں
نیند ابھی ادھوری ہے
جاگنا ضروری ہے
کھوئی کھوئی سڑکوں پر تو وہ بھیڑ آ پہنچی
گرم ذہنوں میں
حسرتوں کے چھالے ہیں
نوک دار چھالوں سے آگ سی نکلتی ہے
لاشعور جلتا ہے
دکھ رہی ہیں سب آنکھیں
سامنے دھواں سا ہے
خشک خشک ہونٹوں کی پیڑیاں چٹختی ہیں
تیز تیز سانسوں میں
دو جہاں کے پھندے ہیں
انگ انگ بھاری ہے
بھاگ دوڑ جاری ہے
کیا حسین دھوکا ہے
اُلجھی اُلجھی ہے رہبری بھی بھٹکی ہے
جسم کے تقاضوں کو
سب کہاں سمجھتے ہیں
روح کی لطافت کو لوگ کیوں مٹاتے ہیں
دونوں ہی حقیقت ہیں
میری کون سنتا ہے

عبداللہ بٹ کی مرتبہ کتاب "ابوالکلام آزاد" میں ضیاء الحسن علوی کا مضمون "دو بھائی" شامل ہے جس میں ابو النصر آہ کا ایک قطعہ درج ہے جو مالک رام صاحب کے مضمون میں شامل نہیں ہے ضیاء الحسن علوی، آہ کا تعارف کراتے ہوئے ان کا قطعہ اس طرح تحریر کرتے ہیں :-

"بڑے بھائی کا نام ابو النصر غلام یٰسین آہ تھا اور چھوٹے کا ابو الکلام محی الدین آزاد تھا ہمارے دوست مولانا ابو الکلام تو اس وقت ہندوستان کے سرتاج ہیں ان کی مزے مزے کی باتیں آگے چل کر سنئے گا مگر ابو النصر مرحوم کس کو یاد ہوں گے۔ ان کی یاد رکھنے کو ان کا ایک قطعہ لکھتا ہوں وہ سن لیجئے اور ان کی روح پر فاتحہ پڑھیئے

عدو کے ساتھ وہ تصویر ادائے بے جائیں	نئے طریق سے اظہار رسم و راہ کریں
ہمارے پاس بھی بیٹھیں اسے شرارت سے	کہ حال رشک سے رو رو کے ہم تباہ کریں
غضب ہے اس پہ زمانی ما عجمی کہ	ہمارے سر کی قسم ہے انھیں جو آہ کریں

بقیہ صفحہ ۷ کالم ۲ سے آگے

سچائی کی لامحدود طاقت۔ ہم کو اپنی زندگی سچائی کی زندگی بنانی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ سچائی کے نام پر جھوٹ لوگوں کے لئے باعث فخر ہو رہا ہے۔ دھرم کا مقصد تو یہ ہے کہ آپس کے بھائی چارہ کو بڑھایا جائے انسان انسان میں جو بغض اور عناد کی خلیج حائل ہے اسے کم کیا جائے اور آپس کی نفرت اور حقارت کو دور کیا جائے۔ لیکن آج انسانیت کے اونچے نام پر اچھوتوں کے ساتھ نہایت نامناسب برتاؤ ہو رہا ہے میں کہہ چکا ہوں کہ جھوٹ خود کمزور ہے اعلام ہے سچائی کے سہارے کے بغیر کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر سچائی کے نام پر جھوٹ کی بھی اتنی فتح ہو سکتی ہے تو خود سچائی کیا ہو گی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

سچائی کے پاس اپنی حفاظت کے لئے لامحدود طاقت ہے۔ سچائی ہی زندگی ہے اور جوں ہی کسی انسان کے دل میں اپنا گھر کر لیتی ہے توں ہی اپنے کو پھیلا لیتی ہے۔

سچ کے عمل میں ہی تو تسکین ہے۔ سچائی ہی سچائی کا انعام ہے۔ قیمتی سے قیمتی چیز بیچنے والے کو جس طرح اس سے زیادہ قیمتی چیز نہیں مل سکتی، اسی طرح سچ بولنے والا سچ سے بڑھ کر اور کیا چیز چاہے گا؟

سچائی جہاں سورج کی طرح گرمی پہنچاتی ہے وہاں زندگی کو ختم بھی کر دیتی ہے۔

زمین سچائی کی طاقت پر قائم ہے۔ "است" "استیہ" کے معنی ہیں "نہیں" اور "ست" "ستیہ" کے معنی ہیں "ہے"۔ جہاں "است" یعنی وجود ہی نہیں اس کی کامیابی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور "ست" یعنی "ہے" اس کا ناش کون کر سکتا ہے! بس اسی میں ستیا گرہ کی ساری تعلیم موجود ہے۔ (خبر نامہ اردو شعبہ قومی کمیٹی گاندھی پیدائش صدی سے ماخوذ)

سچائی کیا ہے

(۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء سے ۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء تک گاندھی جی پیدائش صدی کا سال ہے اس سلسلہ میں ہم قارئین "ہماری زبان" کے لئے گاندھی جی کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں)

"زندگی کی بنیاد سچائی پر قائم ہے۔ اس کی پرستش کے لئے ہیں یہ جنم ملا ہے۔ ہماری ہر ایک حرکت اس کے لئے ہے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے وقف ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر کسی دوسرے اصول کا عمل نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر ہم اس کا مطلب سچ بولنا ہی سمجھتے ہیں لیکن اس کے وسیع معنی ہیں۔ قول، فعل اور عمل میں سچائی ہی سچائی ہو۔ جس نے اس کو مکمل طور پر سمجھ لیا ہے۔ اس کے لئے اس دنیا میں کوئی سیکھنے کے لائق چیز نہیں رہتی، کیونکہ مکمل علم اس میں سمایا ہوا ہے اس میں جو نہ سمائے وہ علم نہیں۔

..... سچائی کی کھوج کے ساتھ ریاضت ہوتی ہے۔ یعنی خود دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے لئے جان تک نثار کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے اس میں مطلب براری کا کوئی دخل نہیں رہتا۔ ایسی بے غرض تلاش جاری رکھتے ہوئے کوئی غلط راستے پر نہیں رہتا۔ تھوڑا سا ادھر ادھر ہوتے ہی ٹھوکر لگتی ہے اور پھر سیدھے راستے پر چلنے لگتا ہے۔ اس لئے سچائی کی پرستش بھگتی ہے اور بھگتی تو سر کا سودا ہے۔ یعنی وہ ست جیت آنند کا راستہ ہے۔

..... اس محدود سچائی کے علاوہ ایک اور لامحدود سچائی ہے اس کا کوئی آر پار نہیں۔ سب جگہ موجود ہے۔ لیکن اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ لامحدود طاقت خود خدا ہے۔ یعنی خدا ہی سچ ہے۔ دوسری سب چیزیں جھوٹ ہیں۔

جو سچائی کو جانتا ہے، دل سے زبان سے اور جسم سے سچائی پر عمل کرتا ہے، وہ ایشور کو پہچانتا ہے۔ وہ تینوں حالتوں کو جاننے والا ہوتا ہے۔ اسے اس زندگی میں نجات مل جاتی ہے.....

سچ کہنا اور کرنا میری عادت سی بن گئی ہے۔ لیکن جس لامحدود سچائی کو میں عام نظر سے دیکھتا ہوں اس پر عمل کرنے کا دعوے میں نہیں کر سکتا۔ میں نادانی کی حالت میں بھی زیادتی کر سکتا ہوں۔ اس میں جھوٹ کی جھلک ہے اور یہ سچائی کی کسوٹی پر نہیں چڑھ سکتی جس کی زندگی سچائی کی زندگی ہے، وہ چمکتے ہوئے خالص ہیرے کی طرح ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ سچائی پر عمل کرنے والے کو کبھی کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس کے سامنے جھوٹ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دنیا میں سچائی کا عہد سب سے مشکل ہے.......

میرے سامنے جو کوئی جھوٹ بولتا ہے، تب مجھے اس پر غصہ آنے کی بجائے خود اپنے پر زیادہ غصہ آتا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ابھی میرے اندر۔ دل کی گہرائی میں۔ جھوٹ کی بو ہے۔

(باقی کالم ۱ پر)

وحید اختر

رفتار

(دوسری قسط)

کسی بھی قوم یا ملک کی ادبی روایت اس قوم کے تہذیبی ارتقا اور مزاج ہی سے متعین ہوتی ہے۔ انسانی ارتقا کی تاریخ تہذیبی ارتقا ہی کی تاریخ ہے، صرف حیاتیاتی یا عضویاتی ارتقار کی تاریخ نہیں۔ تہذیب میں رہن سہن کے آداب، زبان، رسم و رواج اور عام سماجی اداروں کے علاوہ مذہب، فنونِ لطیفہ، ادب اور فلسفہ بھی شامل ہیں۔ تہذیب یا کلچر صرف معاشرتی روایت نہیں بلکہ ایک مخصوص طرزِ فکر و احساس سے بھی عبارت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب نے انسان کی تہذیبی تاریخ میں بڑا اہم رول انجام دیا ہے۔ تہذیب کے آغاز میں مذہب انسانوں کو گروہوں میں متحد کرنے اور جماعتی احساس پیدا کرنے میں سب سے طاقتور محرک رہا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ تقریباً تمام فنونِ لطیفہ کی اختراع اور ترقی میں بھی ابتداً مذہب کو سب سے طاقتور محرک کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ رقص، بت تراشی، مصوری، موسیقی اور شاعری سب ہی ابتدا میں مذہبی جذبات کے اظہار کا وسیلہ اور عبادت کا ذریعہ رہی ہیں۔ یونانی فنونِ لطیفہ ہوں یا ہندوستانی اس کلیے سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اس کے باوجود قدیم ادب و شعر کے لیے بھی یہ کہنا کہ ان کی بنیادی روایت مذہب تھا، غلط ہوگا۔ محرک اور بنیادی روایت میں بڑا فرق ہے۔ محرک بھی ہمیشہ اپنا براہِ راست اظہار نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھی تو تخلیقی عمل کی پیچیدگیوں سے گزر کر وہ بالکل ہی اپنی شکل بدل کر ایک ایسے قالب میں اپنا اظہار کرتا ہے جس کا اس کی اصل سے بہت کم تعلق رہ جاتا ہے۔ کھجوراہو، ایلفنٹا، ایلورا اور قدیم مندروں میں جنسی عمل کی تصویر کشی سے پیکر تراشی کا ابتدائی مذہبی محرک سے رشتہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اسی طرح قدیم یونانی تہذیب جس کے مذہبی تصورات عیسائیت کے تصورات سے بنیادی طور پر مختلف تھے تمام یورپ کی تہذیبی روایات کی بنیاد رہی ہے۔ مغرب میں تہذیبی روایت کا یہ تسلسل دو ہزار برس سے زیادہ مدت سے چلا آ رہا ہے۔ عیسائیت کے ساتھ قدیم یونانی اور رومی PAGANISM کا اختلاط نہ صرف تہذیب کے دیگر مظاہر بلکہ ادب و شعر میں بھی ظاہر ہوتا رہا ہے۔ ملٹن کی "جنت گم شدہ" بنیادی طور پر مذہبی (عیسائی) نظم ہونے کے باوجود PAGANISM کے عناصر و اثرات سے لبریز ہے۔ چند شاعروں کو چھوڑ کر یورپ کے بیشتر قابلِ ذکر شاعروں کا براہِ راست عیسائیت کی مذہبی روایت سے رشتہ جوڑنا مشکل ہے لیکن ان سب کا رشتہ قدیم یونانی اور رومی تہذیب سے اتنا مستحکم ہے کہ ہم آج بھی مغربی ادب کو ان تہذیبوں کا خاصا علم رکھے بغیر پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب کے مزاج کو کسی قوم کی مجموعی تہذیبی روایات کی روشنی ہی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ محض مذہبی روایت کبھی ادب کی بنیادی روایت نہیں رہی۔

ہربرٹ ریڈ جیسے مغربی تہذیب کے زوال اور فنونِ لطیفہ کی طرف سے عام بے اعتنائی کا احساس تھا تہذیبی قدروں کے استحکام و تحفظ کے لئے ہی فنونِ لطیفہ کا از سرِ نو عرفان عام کرنا چاہتا تھا۔ تہذیبی قدروں سے بے اعتنائی کا نتیجہ انسانیت کے لئے خطرناک ہوتا ہے اسی لئے باشعور مغربی دانشور تہذیب کو بجائے خود اور بنفسہٖ قابلِ قدر سمجھتے ہیں، جس پر عسکری صاحب معترض ہیں، تہذیبی اقدار کے عرفان کے بغیر مذہبی روایت کا عرفان بھی ممکن نہیں۔ آج پوری دنیا میں انسانی تہذیب اقدار کے جس بحران سے گذر رہی ہے وہ بحیثیت مجموعی کلچر کی روایات سے ناواقفیت اور ان کی روح کے عدمِ عرفان کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی شخص تہذیب کو بنفسہٖ قابلِ قدر نہ سمجھے تو وہ مذہبی روایت کی روح کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور انسانوں کو بربریت کے دور میں واپس لے جانے کا براہِ راست مبلغ یا بالواسطہ آلۂ کار بنتا ہے۔ تمام فاشسٹ فلسفے تہذیبی اقدار کی نفی ہی سے اپنا آغاز کرتے ہیں اور ایک مخصوص قسم کی تہذیب کے داعی بننے کے باوجود تہذیب دشمنی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، ۱۹۴۷ء کی ہند پاک

زبیر کنجاہی

غزل

اس طرح دل میں اچانک تری یاد آئی ہے
جیسے ظلمت میں کہیں برق سی لہرائی ہے

یوں ترے جلوؤں کی دعوت ہے مری آنکھوں میں
جیسے اندھوں کے لئے دولتِ بینائی ہے

کروٹیں لیتا ہے اک نشترِ غم سینے میں
یاد ہے آپ کی یا درد کی انگڑائی ہے

اب تو گل ہو چکا امید کا ایک ایک چراغ
اب تو آجاؤ کہ تنہائی ہی تنہائی ہے

میں نے اس خوف سے لب سی لئے شکوہ نہ کیا
اس میں میری ہی نہیں تیری بھی رسوائی ہے

انقلاب آیا ہے دنیائے تمنا میں زبیر
اس نے جب زلفِ حسیں دوش پہ لہرائی ہے

لڑائی کے وقت ہندی کے مشہور ادیب اور شاعر دینکر نے ہندوستانی قوم کی کمزوری کا سراغ اس کی تہذیب ہی میں پایا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ اگر ہمیں پھر سے طاقتور بننا اور عظمتِ رفتہ حاصل کرنا ہے تو ہمیں بربریت کے دور کی طرف واپس جانا ہوگا۔ دینکر جی کے پاس بھی مذہبی روایت کا ایک مخصوص نظریہ ہے لیکن مذہبی روایت کو تہذیبی اقدار سے جدا کرنے کا نتیجہ تہذیب کی نفی ہی کی شکل میں نکلتا ہے۔ مذہب ہو یا سائنس، سیاست ہو یا معاشی نظریہ محض کسی ایک چیز کو ہی سب کچھ سمجھ لینے کا نتیجہ تہذیب کے حق میں کبھی بھی خیر و برکت نہیں بن سکتا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے ساتھ سیاسی نظاموں پر غیر ضروری زور دینے کا ہی نتیجہ آج کا عالمی تہذیبی بحران ہے۔ وہ لوگ جنھیں انسانی تہذیب اور اس کی روایات عزیز ہیں اس یک طرفہ پن اور جبر کے خلاف اسی لئے نبرد آزما ہیں کہ جب تک انسانی تہذیب کی ان تمام اقدار کا جو ہزار ہا سال کے اجتماعی شعور اور تجربے سے بنی اور ڈھلی ہیں، عرفان عام نہ ہوگا، انسان مکمل تباہی کے دہانے پر کھڑا اپنی اور تہذیب کی موت ہی کو دعوت دیتا رہے گا۔ اس سلسلے میں مذہب کی وہ تمام روایات بھی جو انسانیت اور آفاقیت کی روح میں رچی بسی ہیں ادب و شعر کی اور انسان دوستی کی روایات کے ساتھ تہذیبی خودکشی سے باز رکھنے میں انسان کے کام آسکتی ہیں۔ سائنس کے برخود غلط طرفدار فنونِ لطیفہ اور مذہب کی روایات کی نفی کر کے اور انھیں آج کے دور میں غیر ضروری قرار دے کر تہذیب کے ساتھ دشمنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مذہب، فلسفہ اور فنونِ لطیفہ کا زوال کسی بھی حساس، باشعور اور تہذیبی عرفان رکھنے والے انسان دوست کے لئے کسی صورت میں بھی خوشی کا باعث نہیں بن سکتا، مغرب میں اب یہ احساس عام ہو چلا ہے لیکن مشرقی روایت کو مغرب کے توسط سے سمجھنے والے حسن عسکری صاحب مشرقی روایت کو مغرب سے بالکل الگ کرنے کے جوش میں آج یہ کہہ رہے ہیں کہ عمرانیات، نفسیات اور حیاتیات میں ادب کو برقرار رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ تہذیب کی نفی کا یہ منطقی نتیجہ ہے۔ اس نفی کے بعد وہ ادب کا جواز مذہب میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ ہمیشہ سے مذہب فلسفہ، سائنس اور سیاست سب کے دائرہ ہائے کار الگ الگ رہے ہیں۔

ابتدا سے مذہب کے ہوتے ہوئے بھی انسانوں کو اپنے جذبے، جبلّت یا انفرادی اور اجتماعی لاشعور کے اظہار کے لئے ایک اور وسیلے کی تلاش رہی ہے اور وہ ہے فنونِ لطیفہ کا وسیلہ۔ افلاطون اور ارسطو سے لے کر آج تک مفکرین فنونِ لطیفہ کو مذہب اور فلسفہ (اور بعد میں سائنس) سے الگ سمجھتے رہے ہیں، اس لئے کہ مذہب یا فلسفہ یا سائنس سے انسان کی جن مادی یا روحانی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے وہ فنونِ لطیفہ کے ذوق کی تربیت کے بغیر تشنہ رہتی ہیں۔ فلسفہ و سائنس عقل پر پوری طرح تکیہ کرتے اور انسانی احساس اور جذبے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مذہب غیر مرئی قوتوں یا قوت سے انسان کے رشتے کا احساس ہے اور اس کے سامنے انسانی مرضی کو جھکا کر اسی سے استعانت چاہنے کا نام۔ یہ رشتہ انسان اور انسان کے باہمی تعلق کو بھی نظر انداز نہیں کرتا لیکن یہاں اولیت بجائے خود معبود کے رشتے ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ سائنس اور فلسفے انسان اور کائنات میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں، مذہب انسان اور علوی قوت میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، لیکن فنونِ لطیفہ کا کام پھر بھی باقی رہ جاتا ہے، انسان اور انسان کے درمیان ہم آہنگی اور خود انسانی فرد کے اپنے داخلی احوال اور خارجی اظہارات میں ہم آہنگی پیدا کرنا فنونِ لطیفہ اور ادب کا کام ہے۔ کہنے کو تو عسکری صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مذہب کا سچا عرفان ہو تو وہ کام بھی جو سائنس اور فلسفہ ایک طرف اور فنونِ لطیفہ دوسری طرف کرتے ہیں، مذہب ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ لیکن تہذیب کے آغاز سے آج تک فنونِ لطیفہ کا آزادانہ وجود اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر انسان کو فنونِ لطیفہ کو اپنے احساس، جذبے، تخیل اور شخصیت کے اظہار کا علیحدہ سے وسیلہ بنانا پڑتا۔ شعر و ادب کو پوری طرح مذہب سے جوڑ دینا فنونِ لطیفہ کی تاریخ اور ان کی روح سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ خود اسلامی دنیا میں وہ شعرا بھی جن کا مقصد مخصوص مذہبی تصورات کو شعر کے ذریعے عام کرنا تھا شعر اور مذہب کی دوئی کو نہ مٹا سکے مثنوی مولانا روم کے بہت سے حصے، گلستاں بوستاں کی بہت سی روایات (جنھیں ڈپٹی نذیر احمد ایسے عالم دین کو اپنے بچوں سے چھپانا پڑا) اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ادب مذہب نہیں بلکہ مذہب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

اس سلسلے میں عسکری صاحب کا یہ قول کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ و ملفوظات میں ادب کے متعلق جو اشارے ہیں وہ اردو کی ادبی تنقید کی بڑی بڑی کتابوں سے زیادہ مفید اور صحیح ہیں سوائے مبالغہ آمیز عقیدت کے اور کچھ نہیں۔ اس سلسلے میں بعض بہت ہی راسخ العقیدہ اور سچے مسلمانوں سے میری گفتگو ہوئی، مگر کوئی بھی اس بات کو سنجیدگی سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اور نہ کسی نے یہ اقرار کیا کہ مولانا تھانوی نے بہشتی زیور میں جو اشارے کئے ہیں، وہ اردو شاعری کے پورے سرمائے پر محض اس لئے بھاری ہیں کہ مولانا تھانوی کو دینی روایات کا عرفان میر، غالب، مومن، انیس، اقبال وغیرہ سے زیادہ تھا۔ جس طرح ہم سائنس کے نظریات کو مذہبی علما سے سمجھنے کے بجائے سائنسدانوں سے رجوع کرتے ہیں، اسی طرح ادب و شعر کی تفہیم کے لئے بھی ہمیں ادب و شعر کے علما سے ہی رجوع کرنا پڑے گا۔ افلاطون اور ارسطو کو یونانی فلسفیوں کے احمق ترین طبقے کا رکن قرار دینے سے نہ تو فلسفہ سمجھ میں آئے گا نہ ادب و شعر۔ اور تو اور شاید اس رویے کے ساتھ مذہب کو سمجھنا بھی مشکل ہی ثابت ہوگا۔ افلاطون اور ارسطو کے ادبی نظریات سے اختلاف اور بات ہے، اور ان فلسفیوں کو جن سے علم کی تمام شاخوں (بشمول سائنس و فنونِ لطیفہ) نے فیضان اٹھایا ہے مذہب میں رد کرنا تو جائز ہے لیکن علم کی دنیا میں بدعت۔ یہ بات تو امام غزالی نے بھی نہیں کہی تھی انھوں نے تہافتہ الفلاسفہ میں ان مفکرین کو صرف گمراہ ہی قرار دیا، احمق نہیں کہا۔ گمراہی کی حد تک تو ہر شخص کا اپنا ایک دینی معیار ہوتا ہے اور وہ اپنے سے الگ رستے پر چلنے والے کو گمراہ قرار دینے میں حق بجانب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن علم و عقل کے کچھ معروضی

اور عالمگیر معیار ہیں۔ عسکری صاحب کسی بھی معیار کو تو مانتے ہی ہوں گے اور جب وہ علم و عقل کا کوئی معیار قبول کریں گے اور واقعی افلاطون و ارسطو کا مطالعہ کریں گے تو انھیں ان مفکرین کے عظیم الشان ذہن کا اعتراف ہی کرنا پڑے گا۔ براہ راست افلاطون و ارسطو کا مطالعہ ضروری نہیں، اگر عسکری صاحب اسلامی فلسفے ہی کا مطالعہ کریں تو ان پر یہ روشن ہو جائے گا کہ انھی "احمقوں" کے چراغ سے ہم نے بھی اپنے چراغ جلائے ہیں اور یورپ پر ہمارا سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ ہم نے یورپ کو ان کے اپنے عظیم ترین ذہنوں کی روشنی اپنے فانوسوں میں محفوظ کر کے سونپی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ دینی روایت کے سلسلے میں عسکری جس تصوف کا بار بار حوالہ دیتے ہیں اس کے نظریات پر بھی افلاطون اور فلاطینوس کا گہرا اثر رہا ہے۔ میرا مقصد افلاطون و ارسطو کی مدافعت نہیں کیونکہ یہ ایسی ہی احمقانہ بات ہوگی جیسے یہ کوئی یہ کہے کہ وہ گرد و غبار کے طوفان سے آفتاب کی روشنی کو بچا رہا ہے۔ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ یک طرفہ فکر اور ادعائی رویے کے خطروں اور گمراہ کن نتیجوں کی طرف اشارہ کر دوں۔ شیخ مجدد کو جو مذہبی عظمت و تقدس حاصل ہے اس کی روشنی میں وہ اگر ایسی بات لکھیں تو سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا کہ انھوں نے کس نقطۂ نظر سے یہ بات کہی ہے۔ لیکن عسکری صاحب کی زبان پر کسی اور کے حوالے سے بھی یہ بات چھوٹا منہ بڑی بات ہی کا مصداق ہوگی۔

عسکری نے "بے تکلف گفتگو" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے استادوں نے ابتدا ہی سے انھیں الٹا سبق "پڑھایا ہے پہلے انھوں نے سرریلزم پڑھا، پھر شکسپیئر۔ چونکہ ان کی ادبی تعمیر کی پہلی اینٹ ہی الٹی رکھی گئی اس لیے ان کے ادبی شعور کی عمارت بھی الٹی ہی کھڑی ہے۔ وہ پہلے سرریلزم پر ایمان لائے فرائڈ کے نظریات کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ برسوں اردو ادب کی بے مائگی کا رونا روتے رہے اور اردو کے ادیبوں شاعروں میں فرانسیسی ادب اور جدید مغربی تحریکوں کی پرجوش تبلیغ کرتے رہے۔ اس اثنا میں پاکستان بن گیا ر رینے گینوں کا نام کہیں سے سن لیا تو ادبی روایت اور دینی روایت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور اب وہ ہمیں باور کرا رہے ہیں کہ ادبی روایت دینی روایت ہے، حالانکہ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو پھر ادب اور دین دونوں میں سے کسی ایک کی نفی لازم آتی ہے۔ حالانکہ دونوں کو الگ اور آزاد ماننے میں ادب بھی محفوظ رہتا ہے اور دین بھی۔ لیکن عسکری صاحب کی نظر اس نکتے پر نہ گئی، اب وہ وآرج کے اشعار کی عارفانہ شرح کر کے اپنے "عرفان مذہب" اور "ذوق ادب" دونوں کی سطحیت کا اشتہار دے رہے ہیں۔

عسکری اردو کے ان ادبی نقادوں میں سے ہیں جو پہلے کوئی کلیہ یا فارمولا بنا لیتے ہیں اور پھر اپنی اس دریافت پر خوش ہو کر اسے ادبی تخلیقات کے سر منڈھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ اسی الٹے سبق کا نتیجہ ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ پہلے اپنے ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اس کے تہذیبی مزاج اور اقدار کو سمجھا جائے اور اس کی روشنی میں کوئی تنقیدی اصول یا ادبی نظریہ بنایا جائے۔ لیکن عسکری کی تنقید کا عمل ہمارے اکثر کلیہ ساز، فارمولا باز ناقدین کی طرح الٹا ہوتا ہے اور انھیں اس بات کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ ایک نیا فارمولا گڑھنے کی وجہ سے اب جو وہ باتیں کر رہے ہیں وہ ان کے تمام پچھلے بیانات کے ساتھ متناقض ہیں، اور ان کی تردید کرتی ہیں۔ عسکری ایک زمانے میں ادیب کی سماجی ذمہ داری سے منکر تھے اس وقت وہ ادب کی مقصدیت کے خلاف تھے (ترقی پسندوں کی ضد میں) لیکن اب وہ ادب کو مذہب کے عرفان کا وسیلہ مان کر ایک نئی قسم کی (جو اپنی روح کے لحاظ سے بہت قدیم اور پامال نظریہ ہے) مقصدیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ادب سے اس وقت بھی انھیں بحث نہ تھی، اب بھی نہیں ہے۔ خطرہ اس بات میں ہے کہ اب بھی ہندوستان اور پاکستان میں ایسے نقاد، شاعر اور ادیب ہیں جو عسکری کی ہر بات کو حرف آخر مان لیتے اور ان کے اسلوب ہی کی نہیں، خیالات کی بھی اندھی تقلید کرتے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر میکانکی اور سطحی تنقید اسی طرح سے عام ہو رہی ہے جیسے پہلے ترقی پسند نظریات کو میکانکی طور پر برتنے سے وجود میں آئی تھی۔

آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ادب سے قطع نظر، عسکری نے دینی روایت کی جس طرح تفسیر کی ہے وہ کس حد تک قابل قبول ہے اس مسئلے پر علیحدہ سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

مراسلات

غالب اور سرسید

۱۵؍ اکتوبر ۶۸ء کے ہماری زبان میں محمد ظہیر وارثی کا مراسلہ بعنوان "غالب اور سرسید" نظر سے گذرا موصوف کے استفسار کے جواب میں عرض ہے کہ "ماہ نو" کراچی بابت فروری ۱۹۵۱ء کے مقالہ نگار یا کسی اور صاحب کے اس خیال میں ذرہ برابر بھی صحت نہیں ہے کہ غالب کا اولین تعارف آثار الصنادید میں ملتا ہے، آثار الصنادید مولفہ ۱۸۴۷ء سے بہت پہلے کئی تذکرہ نگار ان کا تعارف کرا چکے تھے۔

(۱) عیار الشعرا مولفہ خوب چند ذکا
(۲) عمدۂ منتخبہ مولفہ اعظم الدولہ سرور
(۳) گلشن بے خار مولفہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ
(۴) گلدستۂ نازنیناں مولفہ کریم الدین
(۵) گلستان بے خزاں مولفہ قطب الدین باطن
(۶) تذکرہ بہار بے خزاں مولفہ احمد حسن سحر

اردو کے ایسے تذکرے ہیں جن میں غالب کا ذکر صراحت سے موجود ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب سرسید کی آثار الصنادید سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ تلاش کرنے سے اور بھی ایسے تذکرے نکل آئیں گے جن میں غالب کا ذکر آثار الصنادید سے پہلے کیا گیا ہے ایسی صورت میں ماہ نو کے مقالہ نگار کی یہ بات کون مانے گا کہ سرسید احمد خاں، غالب کے پہلے تعارف نگار ہیں غرضیکہ صاحب مقالہ کا دعویٰ حقائق کے خلاف ہے اور تاریخ ادب سے ان کی بے خبری کا پتہ دیتا ہے۔ ان دنوں اتفاق سے غالب کے سلسلے میں اسی موضوع پر ایک مضمون زیر قلم ہے اور انشاء اللہ دسمبر ۶۸ء کے نگار میں شائع ہوگا۔

(فرمان فتح پوری)

ایک ضروری گذارش

ایک عرصے سے مجھے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ کوئی نوجوان خود کو میرا بیٹا بتا کر پورے ہندوستان میں ادیبوں اور شاعروں کو لوٹتا پھرتا ہے۔ وہ کبھی اپنا نام جاوید اختر اور کبھی اپنا نام سلمان اختر بتاتا ہے۔ یہ دونوں نام میرے بیٹوں کے ہیں جن کا وہ غلط استعمال کر رہا ہے۔ میں ہر خاص و عام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس نوجوان کے فریب میں نہ آئیں بلکہ اسے پولس کے حوالے کر دیں۔

(جاں نثار اختر)

ضروری اعلان:- براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے اور منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھئے

اردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہئے۔ وزیر اعظم کی تقریر

بمبئی:- وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے یہاں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگ آزادی کے بعد قومی یکجہتی کی کوششوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نئے پرانے سماج اور نئے پرانے خیالات کے درمیان اس وقت دنیا بھر میں کشمکش جاری ہے آپ نے کہا کہ مصنفوں اور شاعروں کو لوگوں میں نئے سماج کا احساس پیدا کر دینا چاہئے۔ اردو کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ اردو رسم خط ہندوستان اور وسطی ایشیا کے درمیان ایک رابطہ ہے ہندی اور اردو دونوں ہندوستانی کلچر کی علامت ہیں۔ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے کیونکہ یہ ہندوستان ہی میں پھلی پھولی ہے اور پروان چڑھی ہے ہندی قومی زبان ہے مگر اردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہئے آپ نے کہا کہ زبان تہذیب و ثقافت ہے اور رسم خط اس کی دولت ہے۔ (الجمعیۃ)

صدر جمہوریہ ہند کو فروغ اردو کا محضر نامہ

نئی دہلی:- صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین سے فروغ اردو کا ایک وفد ملا اور ایک اردو محضر نامہ پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ غالب صد سالہ تقریبات کو عملی طور پر منانے کے لئے اردو کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ کہا گیا ہے کہ گذشتہ ۲۱ برسوں میں کانگریسی اور غیر کانگریسی صوبائی حکومتوں اور مرکزی وزارت داخلہ نے جن تعلیمی سہولتوں کو فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے نیز جن کا اعلان ایوان قانون ساز میں وقتاً فوقتاً ہوا ہے ان پر فوری عمل درآمد کے لئے ایک آرڈیننس جاری کیا جائے ملک کی قومی زبانوں کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دئے جانے کے سلسلے میں ایک ملک گیر لسانی اصول متعین کیا جائے۔ غالب صد سالہ تقریبات کے موقع پر محضر میں جو دوسرے مطالبات کئے ہیں۔ ان میں تقسیم وطن کے بعد سے ہندی اور اردو میں غالب پر شائع ہونے والی کتب کو سرکاری لائبریریوں کے لئے خریدنا ضروری قرار دیئے جانے کے ساتھ ہی ساتھ ان کتب کے مصنفین کو ادبی انعامات دیئے جانے کا بھی مطالبہ ہے۔ صدر جمہوریہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین نے وفد کے محضر پر مستقبل قریب میں فوری کارروائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

لکھنؤ کارپوریشن میں اردو میں ایجنڈا مہیا کیا جائے

لکھنؤ:- آج لکھنؤ کارپوریشن کی بجٹ میٹنگ میں کارروائی کے شروع میں ہی اردو نواز غیر کانگریسی اور چند کانگریسی کارپوریٹران نے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں کارپوریشن کی تجاویز ایجنڈا اور دیگر کاغذات اردو میں مہیا کئے جائیں جن کی مثال اس سے پہلے لکھنؤ کارپوریشن میں قائم ہو چکی ہے ایک ممبر نے کہا کہ اس صوبہ اور خصوصیت سے اس شہر کے بچہ بچہ کی زبان پر اردو رچی بسی ہوئی ہے اس کے باوجود کارپوریشن میں اردو نوازوں کو اردو میں کاغذات بہم نہ پہونچانا کس حد تک جائز اور درست ہے۔ (ریاست)

سہ لسانی فارمولا اور اردو داں طلبہ کی مشکلات

حیدرآباد۔ وزیر تعلیم جناب پی۔ وی نرسمہا راؤ نے کہا کہ سہ لسانی فارمولے کے نتیجے میں اردو والوں کو درپیش مشکلات سے وہ بخوبی واقف ہیں اور کسی بھی ایسی عملی تجویز کا خیر مقدم کریں گے جس کی وجہ سے طلبہ پر چار زبانوں کے سیکھنے کا بار کم ہو جائے اور اگر اردو والے متفقہ طور پر ہندی سے مستثنیٰ ہو جانا چاہیں تو وہ اس تجویز کو قبول کرلیں گے واضح رہے کہ جناب پی۔ وی نرسمہا راؤ اسٹوڈنٹس اسیوسی ایشن گورنمنٹ ہائی اسکول فرسٹ لانسر کا افتتاح انجام دے رہے تھے جو اردو میڈیم کا مدرسہ ہے۔ جناب ایم۔ ایم ہاشم ایم۔ ایل۔ اے نے صدارت کی اور ابتدا میں صدر مدرسہ جناب محمد عبدالنعیم نے خیر مقدم کیا اور ٹریڈ یونین لیڈر جناب کے ایم خاں نے مدرسہ کے مسائل سے وزیر تعلیم کو واقف کرایا۔ وزیر تعلیم نے کہا کہ اردو کے تعلق سے حکومت آندھرا پردیش کی پالیسی وہی ہے جو قیام آندھرا پردیش کے بعد ہی واضح کر دی گئی تھی اس میں کسی قسم کی کمی یا تبدیلی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جناب پی وی نرسمہا راؤ نے مدارس میں ناکافی سہولتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ سہولتوں کی کمی ہر قسم کے مدارس میں ہے صرف اردو ذریعہ تعلیم ہی کے مدارس میں ایسی بات ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے اس بات کا کھلا اعلان کیا کہ ایسی کوئی مثال بتائی جائے کہ صرف اردو ہی کے مدارس میں سہولتوں کی کمی ہے اور دیگر ذریعہ تعلیم کے مدارس ان سے مبرا ہیں۔ (رہنمائے دکن)

اردو کتابوں کو دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کرنے کا مشورہ

حیدرآباد۔ چیف جسٹس آف انڈیا جناب ہدایت اللہ نے اردو کے حامیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اردو کے سرکردہ ادیبوں شاعروں اور دانشوروں کی کتابوں کو دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کرانے کی کوئی صورت نکالیں تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد انھیں پڑھ سکیں اور انھیں اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اردو کسی بھی ہندوستانی زبان سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہے چیف جسٹس آف انڈیا نے آندھرا پردیش میں اردو کی ترویج و اشاعت کی سرگرمیوں پر اظہار مسرت بھی کیا۔ چیف جسٹس آف انڈیا اردو مجلس کے اجلاس میں جناب حبیب الرحمٰن کی خیر مقدمی تقریر کا جواب دے رہے تھے۔ انھوں نے اردو والوں کو مشورہ دیا کہ اردو کو ہر حیثیت سے ایک معیاری زبان بنانے کی کوشش کریں۔ جلسہ کی صدارت جناب آنند نرائن ملا ایم۔ پی نے کی۔ جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست نے اپنے حالیہ دورہ امریکہ کے تاثرات پیش کئے صدر جلسہ جناب آنند نرائن ملا نے تقریر میں اردو اور اردو والوں کے مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی انھوں نے کہا کہ اردو کو دنیا کی زبانوں میں تیسرا اور ہندوستان میں پونے تین کروڑ اردو بولنے والوں کی حیثیت سے پانچواں درجہ حاصل ہے لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اردو والوں کے معقول مطالبات کو بھی یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ یہ کسی علاقہ کی زبان نہیں۔ جناب آنند نرائن ملا نے اردو کے رسم الخط کی تبدیلی کا مشورہ دینے والوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سندھی کو جس کا رسم الخط اردو کے رسم الخط جیسا ہی ہے بڑی خوشی سے قبول کر لیا جاتا ہے لیکن اردو رسم الخط کے بدلنے کے مشورہ دے کر اپنے حسن کے کھوٹ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کا مسئلہ دراصل ہندوستان میں سیکولرازم کے تحفظ کا مسئلہ بن گیا ہے اور ۲۲ جو متبدلہ سیاسی ماحول میں تو جن سنگھ کے سوا سبھی سیاسی جماعتیں اسے دوسری زبان کا درجہ دینے پر آمادہ ہیں جن سنگھ کے بعض کرم فرما بھی اتر پردیش میں اردو کو دوسری علاقائی زبان قرار دینے کی تجویز کو چند شرائط کے ساتھ قبول کر لینا چاہتے ہیں اپنی تقریر میں جناب آنند نرائن ملا نے اردو والوں کو مشورہ دیا کہ وہ صرف جوش سے کام نہ لیں۔ بلکہ مستقل مزاجی سے اپنے معقول مطالبات کے لئے جد و جہد جاری رکھیں۔ جناب آنند نرائن ملا صاحب کی صدارتی تقریر کے بعد مختصر سی محفل شعر منعقد ہوئی جس میں مخدوم، شاذ تمکنت، محمد عظمت عبدالقیوم صاحب، حکیم یوسف حسین خاں، خیرت ندیم، صلاح الدین نیر، یس روشن بالائی اور سید شہید کے مجموعہ اپنا تازہ کلام سنایا۔

مدھیہ پردیش کی راجدھانی میں غالب تقریبات

بھوپال: یہاں پنڈت آنند نرائن ملا نائب صدر کل ہند غالب تقریبات کمیٹی نے انجمن ترقی اردو کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا آپ نے کہا کہ:" غالب صرف اردو کے شاعر نہیں، بلکہ وہ ہندوستان کی ایک عظیم المرتبت لافانی شخصیت ہیں۔ وہ قدآور قومی ہستی ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ ہندوستان نے عالمی ادب میں دو بڑے شاعر اور ادیب پیدا کئے اور وہ ہیں کالی داس، تلسی داس، غالب ٹیگور اور اقبال۔ یہ ہندوستان کا بہت بڑا کنٹری بیوشن ہے۔

ملا صاحب نے بھوپال اور غالب کے تعلق پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ان کا یہاں سے تعلق رہا ہے، یہاں ان کے شاگرد تھے یہاں کے لوگوں سے ان کی خط و کتابت تھی۔ یہاں ان پر اہم کام ہوا۔ اس لئے ہم بھوپال کو غالب کی زندگی سے الگ نہیں کر سکتے۔ اس تعلق کے رشتہ سے یہاں غالب کی شایان شان تقریبات منائی جانا چاہئیں۔

حمیدیہ اور گرلز کالج میں گوشۂ غالب

بھوپال یہاں کے حمیدیہ پوسٹ گریجویٹ کالج کی یونین نے طے کیا ہے کہ وہ غالب صد سالہ تقریبات کے موقع پر اپنی لائبریری میں ایک گوشۂ غالب قائم کرے گی جہاں غالب کی اور غالب سے متعلق تصانیف جمع کی جائیں گی۔ اسی کے ساتھ ایک شاندار کل ہند مشاعرہ

بھی منعقد کی جائے گی جس میں کسی ممتاز غالب شناس سے غالب پر تقریر بھی کرائی جائے گی۔ حمیدیہ کالج کے اولڈ بوائز کی اسوسی ایشن "شب غالب" کا اہتمام کر رہی ہے جس میں غالب کے کلام کو طلبہ اور ریڈیو فنکار ساز و نغمگیت کے ساتھ پیش کریں گے۔ گلشن بائی گرلز کالج میں تین دن تک غالب کا جشن منایا جائے گا۔ وہاں پر گوشۂ غالب کے علاوہ غالب پر کتابوں کی نمائش اور کلچرل پروگرام منعقد کیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ صرف غالب کے اشعار پر مشتمل بیت بازی کا بھی مقابلہ ہوگا۔

نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب و تدوین

حمیدیہ کالج میں شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر ابو محمد سحر اور ڈاکٹر حامد حسین نے صوبائی صد سالہ تقریبات کمیٹی کی دعوت پر غالب کے نسخۂ حمیدیہ کو ایڈٹ کرنے کا اہم کام شروع کیا تھا۔ صوبائی کمیٹی اس موقع پر نسخۂ حمیدیہ کا سینیٹری ایڈیشن شائع کرے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہر دو اصحاب نے بڑی جانفشانی اور ذمہ داری سے اس اہم کام کو سرانجام دے لیا ہے۔
(ز ملخبار)

ادب میں شکر افشانی اور شکر ریزی نہیں تو وہ ادب نہیں

حلقۂ ارباب ادب بھوپال میں ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کی تقریر

بھوپال، راجدھانی کی متعدد ادبی انجمن حلقۂ ارباب ادب" نے لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو فارسی کے صدر (ڈاکٹر) نور الحسن ہاشمی کا استقبال کیا۔ آپ نے جدید شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جدت کی تلاش بہت اچھی بات ہے۔ یہ ہمیں نئی راہوں سے روشناس کراتی ہے۔ قدیم شعراء نے بھی یہ تلاش جاری رکھی۔ اس سے انفرادیت قائم ہوتی ہے۔ لیکن صرف جدت کے خیال سے ایسی باتیں کہی جائیں جن میں کیفیت، لطف، فکر اور معنویت نہ ہو وہ زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتیں۔ آپ نے کہا کہ ادب کا معاملہ دوسری چیزوں سے قدرے مختلف ہے یہاں صرف سچی باتیں کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ کتنی ہی سچی باتیں کی جائیں اگر ان میں شکر افشانی اور شکر ریزی نہیں ہے تو وہ ادب نہیں بن سکتیں۔ ادب میں حسن بیان ضروری ہے۔ اسی کی وجہ سے ذہن معنویت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اچھی شاعری کے لئے بڑی تہذیب اور فن کاری دونوں کی ضرورت ہے"

اس جلسہ کی صدارت حکیم سید قمر الحسن مدیر اعلیٰ روزنامہ ندیم نے کی۔ شروع میں معزز مقرر کا پروفیسر آفاق احمد نے حلقہ کی طرف سے استقبال کیا اور تعارف کرایا۔ (حسن مسعود)

ریلوے ہائی اسکول میں اردو طلبہ کے داخلہ پہ پابندی

آسنسول:۔ جامع مسجد آسنسول میں ایسٹرن ریلوے اسکول کے طلبہ کے والدین سرپرستوں اور شہر کے دیگر اردو دوستوں اور بہی خواہوں کی ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں سرکلر کے ذریعہ اسکول کے پرنسپل کو جو ہدایت دی گئی ہے کہ اسکول کے اردو طلبہ کو ٹرانسفر سرٹیفکیٹ دے دیا جائے اور ۹۹ء کے نئے تعلیمی سال سے داخلہ بند کر دیا جائے۔ نہایت برہمی اور غم و غصہ کا اظہار کیا گیا نیز اس بات پر تمام اردو دوست متفق ہیں کہ اگر سرکلر واپس نہیں لیا گیا اور اسکول میں اردو طلبہ کے داخلہ کی سہولت نہیں دی گئی تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا۔ اس سے پہلے بھی پرنسپل کے جانبدارانہ رویہ کی شکایت وزیر ریلوے، صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور دیگر ایم۔ پی حضرات کی خدمت میں تحریری طور پر دی جا چکی ہے۔ (راجیت)

انجمن ترقی پسند مصنفین کی تشکیل نو

لکھنؤ:۔ یہاں مقامی ترقی پسند شعراء اور ادیبوں کا نمائندہ جلسہ جناب سید انوار حسین زیدی کی صدارت میں دفتر مرزا رضا علی خاں ایڈووکیٹ میں منعقد ہوا۔ جلسے نے اپنی ایک تجویز کے ذریعہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی مقامی شاخ کی از سر نو تشکیل و احیاء کا فیصلہ کیا اور متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ انجمن کے ادبی و مشاورتی جلسے باقاعدگی سے کئے جائیں۔

(باقر رضوی ادیب کنوینر انجمن)

بگول میں لائبریری کا قیام

قصبہ بگول ضلع بیدر میں ایک عرصے سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اردو کی ترقی و اشاعت کے لئے چند ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں غور و خوض کے لئے ادب دوست نوجوانوں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں اردو کی ترویج و اشاعت ایک اردو لائبریری کے قیام اور اردو امتحانات کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ لائبریری کے لئے مالیہ کی فراہمی اور دیگر اہم امور کی انجام دہی کے لئے ایک مجلس انتظامیہ تشکیل دی گئی۔ (معتمد مجلس انتظامیہ بگول)



فیض احمد فیض دہلی میں

دہلی ۱۰ر نومبر۔ دہلی میں اچانک چپکے چپکے یہ افواہ پھیلی کہ فیض احمد فیض پاکستان سے ایک تقریب میں شرکت کے لیے بمبئی آ رہے ہیں۔ لیکن ہر ایک نے اس کو افواہ ہی سمجھا ایسی ہی افواہیں ماضی میں پھیل چکی تھیں اور غلط ثابت ہو چکی تھیں۔ لیکن جب اچانک فیض کو دہلی میں دیکھا گیا تو سب ہی کو حیرت ہو گئی۔ دہلی میں ڈیفنس کالونی میں ان کے میزبان کے گھر پر جمعہ کی شام کو لوگ جمع ہو گئے۔ فیض ایک کوچ کے ایک کونے میں خاموش بیٹھے تھے اور حیران تھے کہ کیسے اتنے بہت سے لوگوں کو ان کی آمد کی اطلاع اتنی تیزی سے مل گئی۔ وہ بمبئی میں ایک تقریب میں شرکت کے لئے آئے تھے آخر وقت ان کے دوستوں نے ان کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ دو دن کے لئے دہلی بھی آ جائیں فیض کہنے لگے کہ تمام دوستوں سے ملنے کے لئے دو دن کافی نہیں ہوتے اس لئے انھوں نے یہ دو دن خاموشی سے گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن افواہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ۲۰ برس بعد وہ دہلی میں دوستوں کے درمیان تھے۔ ہاتھ میں سلگتی ہوئی سگریٹ بدن پہ گہرے رنگ کا سوٹ، اداس آنکھیں فیض احمد فیض بیٹھے تھے اور جانے پہچانے چہرے کمرے میں ابھرتے جا رہے تھے کوئی بغل گیر ہو رہا تھا کوئی بوسہ لے رہا تھا جذبات ہی جذبات تھے۔ بہتوں کو پرانا زمانہ یاد آ رہا تھا سیالکوٹ میں ۱۹۱۱ء میں فیض پیدا ہوئے۔ لاہور سے انھوں نے انگریزی اور عربی میں ایم۔ اے کیا۔ امرتسر میں اور پھر ہیلی کالج لاہور میں وہ استاد رہے۔ جو مجمع دہلی میں جمع تھا اس میں ان کے شاگرد بھی تھے، دوست بھی اخبار نویس بھی سرکاری ملازمین افسر اور سیاستداں بھی۔ یہ سب ان کو بہت دن سے جانتے تھے۔ کسی نے ان کی پاکستان ٹائمز کی ایڈیٹری کا تذکرہ چھیڑ دیا وہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک اس اخبار کے ایڈیٹر رہے اور کسی نے ۱۹۶۲ء میں ان کے لینن امن انعام حاصل کرنے کا ذکر کر دیا۔ بہر حال محفل کا رنگ پرانی یادوں کی طرف جا رہا تھا۔ ایک خوش گلو نے فیض کی مشہور غزل چھیڑ دی ؎

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں — جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں
رقص مے تیز کرو، ساز کی لے تیز کرو — سوئے مے خانہ سفیران حرم آتے ہیں

فیض سے سنانے کی فرمائش ہونے لگی، انھوں نے چند نئی نظمیں سنائیں جو ان کے نئے مجموعہ کلام "لہو کا سراغ" میں شائع ہو رہی ہیں۔ فیض خود اپنے کلام کو بہت ڈرامائی انداز میں نہیں سنا سکتے لیکن ان کے دھیمے، ہچکچانے والے انداز میں ایک دلکشی اور خلوص ہے اور ان کو بہت ہی غور سے سنا گیا۔ ان کے اشعار کی موسیقی کی اپنی ایک لے ہے رنگ نرالا ہے اور میر سے اب تک کے تمام اساتذہ کی آواز ان کی شاعری میں سنائی دیتی ہے۔ پھر کسی نے ان کا یہ شعر گنگنانا شروع کر دیا ؎

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے — تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

بس آواز میں آواز ملتی گئی سب نے مل کر گانا شروع کر دیا اور پوری محفل گاتی رہی گاتی رہی یہاں تک کہ سنیچر کی صبح نمودار ہو گئی فیض اپنی کوچ پر بیٹھے تھے آنکھیں نیم وا تھیں اور خود اپنے اشعار یوں سن رہے تھے جیسے کسی اور کے ہوں۔ (قومی آواز)

پاکستانی ادیبوں اور شاعروں میں اختلاف

کراچی ۱۰۔ پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں میں زبان، قومیت اور سیاست کے مسائل پر زبردست اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اس اختلافات کی ابتدا اس وقت ہوئی جب حال ہی میں کچھ ادیبوں اور شاعروں نے ایک "عوامی ادبی انجمن" بنانے کا اعلان کیا اس کا منشور مرتب کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ عوامی ادبی انجمنوں کی یہ تحریک کچھ پرانے ترقی پسندوں نے شروع کی ہے۔ فیض احمد فیض اس کے رہنما ہیں جن کو روس نے "ادبی خدمات" کے اعتراف میں وہ لینن انعام دیا تھا جو کبھی اسٹالن انعام کہلاتا تھا اور روس کی خارجہ پالیسی کی نمایاں حمایت کرنے والے غیر ملکی ادیبوں اور شاعروں کو دیا جاتا تھا۔ عوامی ادبی انجمن نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان ایک قوم نہیں کئی قوموں کا ملک ہے ان سب کو یکساں داخلی خود مختاری ملنی چاہیے اور ان قوموں کی زبانوں مثلاً پنجابی، پشتو، بلوچی اور سندھی کو تعلیم، سرکاری کام کاج اور ملازمتوں کے مقابلے کے امتحانوں کا ذریعہ تسلیم کرنا چاہیے عوامی ادبی انجمن نے اردو کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اردو مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں کے درمیان ایک مشترکہ زبان کا کام دے۔ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو زبانوں کو پاکستان کی مختلف قومیتوں سے وابستہ کرتے ہوئے عوامی ادبی انجمن کے اس منشور میں کہا گیا ہے کہ ان قوموں کی زبانوں اور تہذیبوں کو کسی ایک قوم کی زبان اور تہذیب کے تسلط سے آزاد ہونا چاہیے۔ عوامی ادبی انجمن کے اس منشور پر کئی ترقی پسند ادیبوں کے دستخط ہیں اور بہت سے ترقی پسند ادیبوں کے نہیں ہیں۔ پاکستان کی انجمن ترقی پسندوں کے سابق جنرل سکریٹری احمد ندیم قاسمی نے اس تحریک سے اپنے اختلاف کا اعلان کیا ہے وہ ۱۹۵۴ء تک ترقی پسند مصنفین کی پاکستانی انجمن کے جنرل سکریٹری رہے ہیں احمد ندیم قاسمی نے کہا ہے کہ پاکستان ایک قوم ہے اور کئی قوموں کا ملک نہیں ہے۔

(قومی آواز)

پیلی بھیت میں جشن یوم غالب

پیلی بھیت: یہاں مقامی رام سروپ پارک میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر ایک کلچرل پروگرام "جشن غالب" کے نام سے منعقد ہو رہا ہے۔ ۱۹ر نومبر ۶۸ء کو مقامی "بزم ادب" کی طرف سے اسی پروگرام کے سلسلہ میں ایک آل انڈیا مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جس میں مقامی شعراء کے علاوہ بیرونجات کے شعراء اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمائیں گے۔

(جمیل الرحمٰن سعیدی کنوینر)

اردو گھر فنڈ

چندہ اردو گھر فنڈ از نومبر تا ۱۵ نومبر ۱۹۶۸ء

نمبر شمار	نام و مقام مع ضلع	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل	ذریعہ وصول / کیفیت
۱	جناب لالہ کرم چند مہری رام امرتسر	۵۰-۰۰	چیک	[illegible]
۲	انجمن احمدیہ قادیان	۱۰۰-۰۰		
۳	جناب رام پرکاش سوتی امرتسر	۱۳-۰۰		
۴	دیگر اشخاص جن کے نام بعد میں شائع کیے جائیں گے	۱۱-۰۰		
۵	جناب عبداللہ صاحب ضلع رتناگری	۵-۰۰	منی آرڈر	[illegible]
۶	جناب جمال الدین صاحب جمالی بمبئی	۵-۰۰		
۷	جناب عبدالرشید عبدالعزیز داپولی	۵-۰۰		
۸	آر۔ ڈی۔ اے ولس اینڈ سلک ملز امرتسر	۵۰-۰۰	چیک	[illegible]
۹	جناب منی لال رام ترا امرتسر	۵۰-۰۰		
۱۰	جناب چمن لال ایس گپتا امرتسر	۱۰۰-۰۰		
۱۱	جناب [illegible] صاحب امرتسر	۵-۰۰		
۱۲	جناب کلونت رائے دھیر	۵-۰۰		
۱۳	جناب کرشن کمار دت	۲-۰۰		
۱۴	جناب سیٹھ پورن چند	۲-۰۰		
۱۵	جناب پنڈت وزیر چند	۱-۰۰		
۱۶	جناب رام لال صاحب	۱-۰۰		
۱۷	جناب ایم۔ ایم مصرا	۱-۰۰		
۱۸	جناب بخشی رام [illegible]	۲-۰۰		
۱۹	جناب کسن پال	۱-۰۰		
۲۰	جناب کندن لال [illegible]	۱-۰۰	نقد	
۲۱	رشین سیڈ اسٹور	۱-۰۰		
۲۲	ملک سیڈ اسٹور	۲-۰۰		
۲۳	اجیت سیڈ اسٹور	۲-۰۰		
۲۴	جناب [illegible]	۳-۰۰		
۲۵	جناب دھرم پال	۱-۰۰		
۲۶	جناب سردار اندر سنگھ	۲-۰۰		
۲۷	جناب کرشن سروپ	۲-۰۰		
۲۸	جناب [illegible] راج جاجیہ	۳-۰۰		
۲۹	جناب [illegible] سنگھ [illegible]	۱-۰۰		
۳۰	جناب جانی لال [illegible] کندن لال	۲-۰۰		
۳۱	جناب کرتار سنگھ جگجیت سنگھ	۱-۰۰	چیک	[illegible]
۳۲	جناب [illegible] راج [illegible] سنگھ	۲-۰۰		
۳۳	جناب آنند رام شرما	۲-۰۰		
۳۴	ڈاکٹر [illegible] سنگھ [illegible]	۱۰-۰۰		
۳۵	جناب بی۔ پی۔ مہاجن	۲-۰۰		
۳۶	جناب اسماعیل حاجی احمد مقدم	۵-۰۰	منی آرڈر	[illegible]
۳۷	جناب محمد شریف حسن [illegible]	۲-۰۰		
۳۸	جناب علی [illegible]	۲-۰۰		
۳۹	جناب نور محمد اسماعیل ارائی	۲-۰۰		
۴۰	جناب عبدالوہاب داؤد [illegible]	۱-۰۰		
۴۱	جناب محمد سعید حسن [illegible]	۱-۰۰		
۴۲	جناب عباس یوسف چوگلے	۱-۰۰		
۴۳	جناب فخرالدین محمد [illegible]	۱-۰۰		
۴۴	جناب اسماعیل عباس چوگلے	۱-۰۰		
۴۵	جناب شوکت حسن [illegible]	۱-۰۰		
۴۶	جناب داؤد [illegible]	۱-۰۰		
۴۷	جناب عثمان عبدالغفور [illegible]	۱-۰۰		
۴۸	جناب محمود داؤد [illegible]	۱-۰۰		
۴۹	جناب رحیم الدین داؤد [illegible]	۱-۰۰		
۵۰	جناب بشیر داؤد [illegible]	۱-۰۰		
۵۱	جناب عبدالحمید حسین [illegible]	۱-۰۰		
۵۲	جناب نثار احمد شمس الدین [illegible]	۱-۰۰		
۵۳	جناب اصغر حسن [illegible]	۱-۰۰		
۵۴	جناب ابراہیم غلام محی الدین مقدم	۱-۰۰		
۵۵	جناب محمد یوسف [illegible]	۱-۰۰		
۵۶	جناب محمد ہاشم آدم [illegible]	۱-۰۰		
۵۷	جناب محمد حسین [illegible]	۱-۰۰		
۵۸	جناب جی۔ این۔ سی۔ داس ڈسٹرکٹ جج الہ آباد	۱۰۱-۰۰	منی آرڈر	خود
۵۹	ڈاکٹر مسیح احمد کمالی [illegible] یونیورسٹی	۵۰۰-۰۰	منی ٹرانسفر	[illegible]

میزان حال	۱۰۷۵-۰۰
میزان سابق	۵۸۱۶-۵۰
میزان کل	۶۸۹۱-۵۰

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا